بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ جنابِ علی اکبرؑ

﴿۱﴾

چھٹا جو شاہ سے وہ چندے آفتاب پسر حسین و زہرہ جبیں زینتِ شباب پسر
کتابِ حسن و جوانی کا انتساب پسر بہارِ گلشنِ ہستی کا انتخاب پسر
کمائی لیلیٰ کے اٹھارہ سال کی چھوٹی
شبیہ مرسلِ شریں مقال کی چھوٹی

﴿۲﴾

کہا یہ شہ نے کہ گھر میرا بے چراغ ہوا فراق بیٹے کا قلب و جگر پہ داغ ہوا
نظر کے ساتھ ہی رخصت مرا دماغ ہوا یقین ہے غمِ ہستی سے اب فراغ ہوا
نہیں ہے وہ تو مزا بھی نہیں ہے جینے میں
ہے ایک سانس جو اٹکی ہوئی ہے سینے میں

﴿۳﴾

جواں پسر جو مرا درمیانِ مقتل ہے نہ اٹھتے پڑتی ہے کل اور نہ بیٹھتے کل ہے
معانی زیست کے پوچھو تو لفظِ مہمل ہے فراقِ تاب و تواں سے بدن میں ہلچل ہے
کمر تو پہلے ہی عباس میری توڑ گئے
غضب ہوا علی اکبر بھی مجھ کو چھوڑ گئے

﴿۴﴾

بتاؤ ہم کو اس عالم میں کس لئے چھوڑا غضب کیا ہے کہ غربت میں ہم سے منہ موڑا
ہمیں فراقِ علمدار ہی نہ تھا تھوڑا کہ رشتہ تم نے بھی دستِ قضا سے جا جوڑا
خیال کچھ نہ کیا اتنے سال پالنے کا
تمھیں تو یاد بھی ہوگا نہ حال پالنے کا

﴿۵﴾

ہمارا کون سا کہنا برا لگا جو گئے خلاف طبع بھلا ہم نے کیا کہا جو گئے
سبب کہو ہوئے کس بات پر خفا جو گئے ہمیں رُلا کے تمھیں بولو کیا ملا جو گئے
ہماری گریہ و زاری کا گر ملال نہ تھا
تو کیا پھوپھی کا بھی ماں کا بھی کچھ خیال نہ تھا

﴿۶﴾

تمھارے غم میں سکینہ کا حال ہے ابتر بتاؤ کیا تمھیں آتے نہیں ہیں یاد اصغر
کہو کہو ذرا سینے پہ ہاتھ کو رکھ کر کہ بھول بیٹھے ہو ہم سب کو مطلقاً یکسر
کہو گے جو بھی یقیں مشکلوں سے آئے گا
یہ بال شیشہ دل سے کبھی نہ جائے گا

﴿۷﴾

پسر پسر کہے جاتے تھے رخ تھا رن کی طرف کبھی ترائی کو جاتے تھے گاہ بن کی طرف
دھیان سارا تھا دلبندِ خستہ تن کی طرف دعائیں کرتے تھے منہ پھیر کر وطن کی طرف
سجھائی دیتا نہ تھا ٹھیک سے جو سرور کو
مدد کے واسطے کرتے تھے یاد حیدر کو

﴿۸﴾

کسی کی پاتے جو آہٹ تو رو کے فرماتے پدر کو اس طرح بیٹا نہیں ہیں تڑپاتے
تم اپنی چاند سی صورت نہیں جو دکھلاتے تو اپنی موہنی آواز ہی کو سنواتے
صدا تمھاری میری رہنمائی کر جاتی
پدر کی نور نظر تک رسائی کر جاتی

﴿۹﴾

پکارتا ہوں میں رو رو کہاں ہو تم بیٹا فلک پہ ہو کہ تہِ آسماں ہو تم بیٹا
وہیں ہمیں بھی بلاؤ جہاں ہو تم بیٹا پدر ضعیف تمھارا، جواں ہو تم بیٹا
ترس پدر پہ تمھیں کیوں نہیں ذرا آتا
صدا جو سنتا تمھاری تو میں چلا آتا

﴿۱۰﴾

قدم قدم پہ جو ٹھوکر امام کھاتے تھے شقی یہ دیکھ کے شہ کی ہنسی اڑاتے تھے
امام روتے تھے وہ قہقہے لگاتے تھے کبھی کوئی کبھی کوئی طرف بتاتے تھے
کبھی یہ کہتے کہ اکبر کو ہم نے مار دیا
جو قرض بدر و احد کا تھا سب اتار دیا

﴿۱۱﴾

غرض اک اتنے میں آواز کان میں آئی تو شہ کی نکلی ہوئی جان، جان میں آئی
لگا کہ روح پھر اپنے مکان میں آئی تواں و تاب شہ انس و جان میں آئی
حواس و ہوش بھی پلٹے حیات بھی پلٹی
سنی صدا تو نگاہوں میں روشنی پلٹی

﴿۱۲﴾

پہنچ گئے شہِ دیں نزدِ اکبرِ مہرو اُٹھا کے فرقِ پسر کو رکھا سر زانو
سناں جو قلب میں دیکھی نکل پڑے آنسو گلے میں تیر تھا پیوست بہہ رہا تھا لہو
زباں پہ بیٹے کی جب کلمۂ عطش آیا
یہ سن کے شاہ کو اک بار پھر سے غش آیا

﴿۱۳﴾

اٹھے جو غش سے تو منہ چوم کر پسر کا کہا حسین تجھ پہ ہو قربان میرے ماہ لقا
یہ ٹھیک ہے کہ میں پانی تمھیں پلا نہ سکا سنو کہ اصغر گلرو بھی ہے ابھی پیاسا
تمھارے دل میں جو برچھی شقی کی مہماں ہے
تو پھر عطش بھی گھڑی دو گھڑی کی مہماں ہے

﴿۱۴﴾

ہے وقت آخری کچھ دل میں ہو اگر تو کہو جو بات ہے وہ ملا کر ذرا نظر تو کہو
بیان طویل جو مشکل ہے مختصر تو کہو کوئی جواب، کوئی بات بات پر تو کہو
یہ چپ جو سادھی ہے آتا ہے اس سے ہول مجھے
پدر کو یوں نہیں چھوڑو گے دو یہ قول مجھے

﴿۱۵﴾

بیان شاہ کا سن کر تڑپ گئے اکبر کہا یہ ہاتھ کو بابا کے ہاتھ پر رکھ کر
بلا رہے ہیں اشارے سے ساقیِ کوثر عدم کو جاتا ہے بس آپ کا یہ لختِ جگر
بڑا قصور بڑا ہی غضب کیا میں نے
خطا معاف جو پانی طلب کیا میں نے

﴿۱۶﴾

بہا جو خون تو وہ پیاس نے ستایا مجھے خیالِ اصغرِ بے شیر بھی نہ آیا مجھے
رہا نہ یاد جو نامِ خدا سکھایا مجھے گلے کے درد نے حسنِ ادب بھلایا مجھے
ملال دل میں جو آیا ہے اس کو صاف کریں
خدا کے واسطے میری خطا معاف کریں

﴿۱۷﴾

قبول کیجیے میرے سلامِ رخصت کو خدا جو سہل کرے اب مری مصیبت کو
تو پھر ملیں گے بس اب آپ سے قیامت کو یہ کہہ کے پیار سے دیکھا پدر کی صورت کو
کہا یہ شہ نے کہ بیٹا یہی قیامت ہے
تری جدائی کی مجھ کو گھڑی قیامت ہے

﴿۱۸﴾

کنارہ ہاتھ میں تھا شاہِ دیں کے دامن کا   یہ گفتگو تھی کہ اکبر کا ڈھل گیا منکا
یہ دیکھ کر نہ رہا ہوش شہ کو تن من کا   ہوا تھا درد و محن سے جو پاؤں من من کا
اٹھا نہ جاتا تھا حسرت سے بین کرتے تھے
زمیں سے اٹھنے کی کوشش حسینؑ کرتے تھے

﴿۱۹﴾

یہ سوچتے تھے کہ میں خود تو اٹھ نہیں پاتا   قریب و دور کوئی بھی نظر نہیں آتا
مدد کو ایسے میں اے کاش کوئی آجاتا   جو لاش اکبرِ مہرو کو آ کے اُٹھواتا
یہی تھی فکر کہ اتنے میں مُڑ کے کیا دیکھا
قریب زینبِ دلگیر کو کھڑا دیکھا

﴿۲۰﴾

رواں تھے آنکھ سے آنسو بدن میں لرزہ تھا   لبوں کو جنبش پیہم زباں کو سکتہ تھا
خلا نورد نگاہیں تھیں دل شکستہ تھا   جھکی ہوئی تھی کمر اور سر خمیدہ تھا
یہ حال دیکھ کے سمجھے کہ مر گئی زینب
پسر کے ساتھ جہاں سے گزر گئی زینب

﴿۲۱﴾

پکارے چیخ کے ہشیار اے بہن زینبؑ   اُٹھانا ہیں ابھی لاکھوں تمھیں محن زینبؑ
گلے میں پڑنا ہے باقی ابھی رسن زینبؑ   سنی جو چیخ تو چونک اٹھی خستہ تن زینبؑ
پتنگا شمع پہ گرتا ہے ایسے آ کے گری
پسر کی لاش پہ زینب پچھاڑ کھا کے گری

﴿۲۲﴾

شہاب گریۂ زینب کا حال رہنے دو   بیانِ رنج شہِ خوش خصال رہنے دو
یہ حال غم کا یہیں اَب کے سال رہنے دو   اس اختصار کا دل میں ملال رہنے دو
خیالِ صحتِ دل ہائے درد مند کرو
کلیجہ پھٹتا ہے اپنی بیاض بند کرو

❖